42

دعوت اِلی اللہ کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے طریقوں کو استعمال کرو

(فرمودہ 15 نومبر 1946ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"مَیں نے پچھلے سے پچھلے خطبہ جمعہ میں بیان کیا تھا کہ صرف تبلیغ ہی احمدیت کی جان ہے اور یہ کہ ہماری جماعت کے مبلغین کو تبلیغ کے اُن طریقوں پر عمل کرنا چاہئے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائے ہیں۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ اس میں سُستی ہوتی جارہی ہے اور جو طریق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے خداتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائے تھے ان کو نظرانداز کیا جارہا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ زور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وفاتِ مسیحؑ کے مسئلہ پر ہوتا تھا۔ آپ کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھ لو کہیں نہ کہیں چکر کھا کر اس میں وفات مسیحؑ کا مسئلہ ضرور آئے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ خداتعالیٰ نے ہمیں ہر قوم میں تبلیغ کرنے کے لئے کچھ گُر بتائے ہیں اور وہ ہر قوم کے لئے الگ الگ ہیں۔ اور اگر موقع اور محل کے مناسب اُن کو استعمال کیا جائے تو ہم ہر قوم میں تبلیغ کرکے بڑی آسانی سے کامیابی حاصل کرسکتے ہیں۔ ان میں سے مسلمانوں کے اندر تبلیغ کرنے کے لئے سب سے بڑا گُر یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے مسئلہ کو باطل ثابت کیا جائے۔

عیسائیوں میں تبلیغ کے لئے یہ گُر ہے کہ نقلی اور عقلی دلائل سے ان پر یہ ثابت کیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر چڑھے تو ضرور تھے مگر صلیب پر سے زندہ اُترے اور بعد میں طبعی موت مرے۔ سکھوں میں تبلیغ کے لئے یہ گُر ہے کہ انہیں بتایا جائے کہ ان کے بزرگ حضرت بابا نانک صاحبؒ اسلام کو مانتے تھے اور انہوں نے اپنی زندگی میں اسلام کی خدمت پر کمر باندھی ہوئی تھی۔ اور ہندوؤں میں تبلیغ کا یہ گُر ہے کہ ان کی کتابوں سے جن کو وہ الہامی یا مقدس مانتے ہیں ان کے سامنے یہ ثابت کیا جائے کہ ان کے اوتاروں نے یہ خبر دی تھی کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں ایک خاص زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور یہ کہ اس سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہے اور اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریف لانے سے وہ خبر پوری ہو چکی ہے۔ یہ تمام گُر گویا تبلیغ کی جان ہیں اور یہ ایسے کارآمد ہتھیار ہیں جو ہم ہر قوم کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں اور ان کے صحیح استعمال سے ہماری ہر میدان میں فتح یقینی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مختلف علاقوں کے لوگ مختلف طبائع کے ہوتے ہیں اور ان طبائع کے مطابق ذرائع بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ جس طرح لڑائی کے میدان میں دشمن کی چالوں کو سمجھنے اور ان کے اندفاع کے لئے کبھی ایک پہلو بدلنا پڑتا ہے، کبھی دوسرا پہلو اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اور جو شخص نادانی سے ایک ہی پہلو اختیار کئے رکھتا ہے وہ دشمن پر فتح نہیں پا سکتا اور جو شخص ہوشیار اور چالاک ہوتا ہے وہ دوسرے کے مطابق اپنا پہلو بدلتا چلا جاتا ہے۔اسی طرح تبلیغ میں بھی پہلو بدلنا پڑتا ہے مگر تبلیغ میں اصولی باتوں کو نظر انداز کر دینا جائز نہیں۔

مَیں اس وقت صرف مسلمانوں میں تبلیغ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ مسلمانوں نے جب دیکھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات تو نہ قرآن سے ثابت ہو سکتی ہے اور نہ حدیث سے اور اس میدان میں ہم ہمیشہ شکست کھاتے چلے آئے ہیں اور فتح احمدیوں کو ہی نصیب ہوتی رہی ہے۔ تو چونکہ اُن کے مقتدیوں اور دوسرے ماننے والوں پر ہمیشہ اثر پڑتا تھا۔ انہوں نے اس پہلو کو بدل کر دوسرا پہلو اختیار کر لیا۔ مثلاً آجکل جب کبھی مسائل متنازعہ فیہ پر گفتگو ہو اور حیات و وفات مسیح کا مسئلہ درمیان میں آجائے تو غیر احمدی علماء کہہ دیا کرتے ہیں کہ مسیحؑ زندہ ہو

یا مُردہ ہمیں اِس سے کیا؟ ہمیں تو صرف قرآن ہی کافی ہے۔ اور اِس طرح وہ اپنی شکست کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ اگر ہم نے اس مسئلہ پر احمدیوں سے بحث کی تو ہم ضرور شکست کھا جائیں گے۔ اس مسئلہ پر بحث کا ذکر آتے ہی ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور موٹے حروف میں شکست کا لفظ لکھا ہوا اُن کی نظروں کے سامنے پھرنے لگتا ہے۔ اور وہ یہ خطرہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ اس موضوع پر گفتگو کرنے سے لوگ بخوبی سمجھ جائیں گے کہ ہم غلطی پر ہیں۔ اس لئے بجائے اس کے کہ وہ دیانتداری سے اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کریں، بجائے اِس کے کہ وہ ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر صداقت کو قبول کرلیں، بجائے اس کے کہ وہ اپنی غلطی پر ندامت محسوس کریں اور بجائے اس کے کہ وہ اپنی جھوٹی عزت کو حقیقت پر ترجیح نہ دیں وہ دوسری روش اختیار کرلیتے ہیں کیونکہ ان کے دلوں میں ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔ اِسی لئے انہوں نے اپنا پہلو بدل لیا اور ایک نہایت اہم مسئلے کو باوجودیکہ اپنے دلوں میں وہ اب بھی اس کو اہم ہی سمجھتے ہیں غیر اہم اور غیر ضروری کہنا شروع کر دیا ہے۔ مگر ان کے ساتھ ہی ہماری جماعت کے لوگوں نے بھی یہ سمجھ کر کہ ہم اب اس میدان میں بہت سی فتوحات حاصل کر چکے ہیں اپنی توجہ کو اصل مسئلہ سے ہٹا لیا ہے حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے۔ ہماری جنگ تو ان لوگوں سے اُس وقت تک جاری ہے جب تک ساری دنیا احمدیت کو قبول نہیں کرلیتی اور جب تک ساری دنیا پر اسلام کا پرچم نہیں لہراتا۔ اور یہ فتح تب ہی حقیقی معنوں میں فتح کہلا سکتی ہے۔ جب وہ لوگ یہ اقرار کرلیں کہ واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ اور رسول کریم ﷺ نے جس مسیح موعود کے متعلق پیشگوئی فرمائی تھی، خدا تعالیٰ نے جس کی آخری زمانہ میں آمد کا ذکر فرمایا تھا وہ سب باتیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور وہ سب کی سب پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ پس جہاں تک تبلیغ کا سوال ہے وفاتِ مسیح کا مسئلہ نہایت ضروری اور اہم ہے۔ لیکن جہاں تک ہماری جماعتی تربیت کا سوال ہے ہمارے لئے وفات مسیح کی بجائے اور مسائل کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ وفات مسیحؑ کی بحث تو صرف غیروں کے لئے ہے۔ پس جب ہم یہ کہتے ہیں کہ وفات مسیح کا مسئلہ کونسا ضروری ہے تو یہ جماعتی تربیت کو مدنظر رکھتے ہوئے

کہتے ہیں اور جب ہم کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ نہایت اہم اور ضروری ہے تو یہ ہم غیروں کو مدنظر رکھ کر کہتے ہیں۔ گویا یہ گھر کی تربیت سے تعلق رکھنے والا مسئلہ نہیں بلکہ بیرونی دنیا سے تعلق رکھنے والا ہے۔ جہاں جماعتی تربیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ جماعت کو سچائی کی تلقین کی جائے، نمازوں میں باقاعدگی کی عادت ڈالی جائے، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے مسائل سمجھائے جائیں اور نیک نیتی اور نیک اعمال کے لئے زور دیا جائے۔ وہاں غیروں سے خطاب کرتے ہوئے اس امر کی ضرورت ہے کہ ان مسائل کو مدنظر رکھا جائے جو اُن کے مذاہب کی غلطی ثابت کرنے کے لئے اصول کا حکم رکھتے ہیں۔

ہمارے سامنے اپنوں کی تربیت اور غیروں میں تبلیغ کے دو الگ الگ کام ہیں۔ جس طرح ایک زمیندار کے لئے گھر کا کام بھی ہوتا ہے اور کھیت کا کام بھی ہوتا ہے۔ جو کام اس کے لئے گھر کے متعلق ضروری ہوتے ہیں وہ کھیت میں غیر ضروری ہوتے ہیں اور جو کام کھیت میں ضروری ہوتے ہیں وہ گھر میں غیر ضروری ہوتے ہیں۔ اگر وہ بے وقوفی سے اپنے گھر میں ہل چلانا شروع کر دے تو گھر تباہ ہو جائے گا اور اگر کھیت میں دیواریں بنانا شروع کر دے تو کھیت تباہ ہو جائے گا۔ اگر تم زمیندار ہو تو تمہارے لئے یہ ضروری ہو گا کہ گھر کے انتظامات بھی کرو، مکانوں کی مرمت کرو، خراب چیزوں کی درستی کرو، کھانے پینے کی چیزوں کا بندوبست کرو، اپنے بیوی بچوں کی ضروریات مہیا کرو۔ مگر اِس کے یہ معنی تو نہیں ہو سکتے کہ تم زمینداری کرنا چھوڑ دو اور اگر تمہارے کھیت خراب ہو رہے ہوں تو تم اُن کا خیال ہی نہ کرو۔ اگر تم صرف اپنے گھر کے کام ہی کرتے رہو گے تو کھیت خراب ہو جائیں گے اور اگر تم صرف کھیتوں ہی میں کام کرو تو تمہارے گھر خراب ہو جائیں گے۔ پس جس طرح ایک زمیندار کے لئے یہ دو کام الگ الگ ہیں اور دونوں ایک ہی وقت میں ضروری ہیں۔ اسی طرح ہماری جماعت کے لئے بھی دو الگ الگ کام ہیں۔ ایک تو غیروں میں تبلیغ کا کام ہے جو کھیت کے کام کا قائم مقام ہے اور ایک جماعتی تربیت کا کام ہے جو گھر کے کام کا قائم مقام ہے۔ جب تک جماعت میں طہارت پیدا نہیں ہوتی، جب تک جماعت میں نیکی پیدا نہیں ہوتی، جب تک جماعت قرآنِ کریم کا علم نہیں سیکھتی، جب تک جماعت قرآن کریم کے مطابق عمل نہیں کرتی اور جب تک جماعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

اسوۂ حسنہ کو اپنا لائحہ عمل نہیں بناتی تربیت مکمل نہیں ہو سکتی۔ یہ ساری چیزیں ایسی ہی ہیں جیسے ایک آدمی اپنے گھر والوں کے لئے انتظامات کرتا ہے۔ مثلاً وہ گھر کے لئے غلہ مہیا کرتا ہے، بیوی بچوں کے لئے کپڑے مہیا کرتا ہے، اگر گھر میں کوئی بیمار ہو جائے تو اس کے علاج کا انتظام کرتا ہے مگر اس کا یہ سارا کام کھیتی کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ یہ تو سارے کا سارا گھر کا معاملہ ہو گا اور باہر کا معاملہ اس سے بالکل الگ ہو گا۔ اگر ایک زمیندار اپنے بیوی بچوں کو لباس مہیا کرتا ہے تو یہ اس کے گھر کا کام ہو گا باہر کا کام نہیں کہلائے گا۔ کھیت میں ہل جوتنا اور مناسب موقع پر بیج ڈالنا، پانی دینا، کھیتی کاٹنا، فصل میں سے دانے نکالنا، گنّے سے شکر اور گُڑ نکالنا، یہ سارے کھیت کے کام ہیں۔

پس گھر کے کام الگ ہیں اور کھیت کے کام الگ ہیں اور یہ دونوں کام ایک ہی وقت میں ضروری ہیں۔ کھیت کا کام بھی ضروری اور گھر کا کام بھی ضروری ہے۔ اگر یہ دونوں کام ایک ہی وقت میں نہیں ہوتے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یا تو کھیت میں فصل اچھی نہیں ہو گی اور یا زمیندار کے گھر کا نقصان ہو جائے گا۔ چنانچہ یہاں کے زمیندار صرف کھیتوں میں ہی کام کرتے ہیں، گھروں کے کام کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے۔ تم کسی بھی گاؤں میں چلے جاؤ، وہاں کی گلیاں نہایت گندی حالت میں ہوں گی۔ مکان نہایت گندے ہوں گے اور بود و باش کے تمام طریق نہایت گندے ہوں گے۔ لوگ گوبر جیسی پلید چیز کو پاتھ کر گھروں میں جلاتے ہیں حالانکہ گوبر کا جلانا صحت کے لئے بھی مُضِر ہے اور اقتصادی نقصان کا بھی موجب ہے۔ دوسرے ممالک کے لوگ گوبر کا صحیح استعمال کرتے ہیں اور کھاد بنا کر اپنی زمینوں میں ڈالتے ہیں۔ اِس طرح وہ گوبر سے فائدہ بھی اٹھاتے ہیں اور گندگی سے بھی بچتے ہیں۔ جہاں تک غلے کا سوال ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر غیر ممالک والے سال میں دو مَن غلہ گھر میں لاتے ہیں تو یہ بھی ایک مَن لے آتے ہیں۔ بہر حال کچھ نسبت تو ضرور قائم ہے مگر جہاں تک صفائی کا سوال ہے یہ اُن کے مقابلے میں صفر بھی نہیں۔ انگریزوں کے ملک میں چلے جاؤ۔ وہاں کے دیہات صاف ستھرے نظر آئیں گے، گلیاں صاف ہوں گی، میلے اور کچرے کے ڈھیر اور گندگی ہرگز نہیں ہو گی۔ یہاں کی عورت جو اپنے آپ کو بڑی صاف ستھری سمجھتی ہو گی، اس کو اگر گھر کی صفائی کا بہت زیادہ خیال آ جائے تو وہ یہ کرے گی کہ گھر کی تھوڑی بہت صفائی کر کے کوڑا کرکٹ

اور بچے کا پاخانہ گلی میں پھینک دے گی۔ یا اگر گھر میں مرغ ذبح کیا گیا ہو تو اُس کی آنتیں گلی میں پھینک دے گی۔ جانوروں نے گوبر کیا ہو تو اس کی زیادہ سے زیادہ یہ احتیاط کرے گی کہ اپلے بنا کر گھر میں جلائے گی جس سے ہاتھ بھی نجس ہوں گے اور جو چیز اس سے پکائی جائے گی وہ بھی مکروہ ہو گی یعنی اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس نے جانوروں کے گُوہ **1** کے ساتھ روٹی پکائی۔ تورات میں جن قوموں پر لعنت کی گئی ہے انہیں کہا گیا ہے تم گُوہ سے روٹی پکاؤ گے **2** یعنی جو چیز غلے کو بڑھاتی ہے اور ایک زمیندار کے لئے نہایت مفید چیز ہے اُس کو وہ جلاتا ہے اور ایک طرف تو وہ اتنی مفید چیز کو ضائع کر دیتا ہے اور دوسری طرف اس سے کام ایسا لیتا ہے جو بالکل نجس ہے۔ حالانکہ زمیندار کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ وہ اپنی زمینوں میں درخت اُگائیں اور ان کی لکڑی بھی جلایا کریں اور دوسرے فوائد بھی اٹھائیں تا کہ وہ گُوہ سے روٹی پکانے والی لعنت سے بچ جائیں مگر کوئی بھی زمیندار اِس طرف توجہ نہیں کرتا۔ اگر زمیندار اپنی زمینوں میں سڑکوں کے کنارے درخت لگائے اور اپنے گھر میں بھی درخت لگائے تو اس کا گھر بھی خوشنما ہو جائے گا، وہ لکڑی بیچ بھی سکتا ہے اور اگر مکان کے چھت پر ڈالنے کے لئے لکڑی کی ضرورت ہو تو یہ ضرورت اس کی گھر سے ہی پوری ہو سکتی ہے اور وہ گوبر جلانے کی بجائے اپنے کھیت میں ڈالے گا۔ اِس طرح اگر پہلے وہ اپنے کھیت سے ہزار مَن غلہ لاتا ہے تو گوبر ڈالنے سے اس کی فصل اتنی اچھی ہو جائے گی کہ وہ ہزار کی بجائے دو ہزار من غلہ لائے گا۔ اُدھر کھیت کے درخت اس کی گھر کی ضروریات کو پورا کریں گے۔ عموماً ایک زمیندار کے گھر میں چار یا پانچ آدمی ہوتے ہیں۔ ان کے لئے اندازاً دو سیر آٹا ایک وقت میں اس کے گھر میں پکتا ہے۔ جو لوگ کھانا پکانے میں تجربہ کار اور ماہر ہوتے ہیں اُن کا اندازہ ہے کہ ایک گھر میں جتنا آٹا روزانہ خرچ ہوتا ہے اُتنی ہی لکڑی روزانہ خرچ ہوتی ہے۔ زمیندار عموماً دن میں ایک دفعہ ہنڈیا پکاتے ہیں اِس لئے اگر دو سیر لکڑی ہنڈیا کے لئے شمار کی جائے تو چار سیر لکڑی آٹے کے لئے درکار ہو گی۔ اور کُل چھ سیر لکڑی اندازاً روزانہ ایک زمیندار کے گھر میں خرچ ہو گی۔ اور یہ اندازاً دو ہزار سیر سالانہ یا اَسّی مَن سالانہ بنتی ہے بلکہ حقیقتاً اِس سے بھی کم خرچ ہوتی ہے۔ اگر گاؤں کے زمیندار مشترکہ طور پر دو ایکڑ زمین میں درخت لگائیں تو اُن کی ساری ضرورتیں پوری ہو

جائیں گی اور گوبر بھی کھاد بنانے کے کام آسکے گا۔ اور اگر ان کا مشترکہ طور پر میل جول نہ بھی ہو سکے تو ہر زمیندار اپنی اپنی زمین میں درخت لگا سکتا ہے۔ اور جب فرصت ملے کبھی ایک درخت لگالیا، کبھی دوسرا لگالیا۔ اِسی طرح سڑکوں اور راستوں کے کنارے پر بھی لگائے جاسکتے ہیں۔ اس طرح گاؤں کی ساری سڑکیں درختوں سے بھر جائیں گی جن سے سایہ بھی ہو گا اور ان کی لکڑی بھی کام آسکے گی۔ گاؤں کے ساتھ جو اُفتادہ زمین بیلوں وغیرہ کے باندھنے کے لئے ہوتی ہے اُس میں بھی درخت لگائے جاسکتے ہیں۔ مگر چونکہ زمیندار یہ کام نہیں کرتے اس لئے وہ اپنی زمینوں سے غلہ بھی بہت تھوڑی مقدار میں حاصل کرتے ہیں اور ان کے گاؤں بھی نہایت گندی حالت میں ہوتے ہیں۔ جس گاؤں میں بھی چلے جاؤ مرغوں کی آنتیں اور بچوں کا پاخانہ گلیوں میں پڑا ہو گا اور ہر قسم کی غلاظت سے گلیاں بھری پڑی ہوں گی۔ جو عورت بڑی صاف ستھری ہو گی اُس کے گھر میں تو بے شک پوچا پھرا ہوا ہو گا مگر وہ اپنے بچے کو گلی میں پاخانہ پھرنے کے لئے بھیج دے گی۔ یہی وجہ ہے کہ گاؤں اور شہر اتنے گندے ہوتے ہیں کہ بسا اوقات انسان کے لئے گلی میں چلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی چلے تو اس کے کپڑوں کو پاخانہ لگ جاتا ہے اور گندگی کی بُو سے طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ غرض یہاں کے زمیندار گھر کا مطلقاً خیال نہیں کرتے صرف باہر کا ہی کرتے ہیں۔ لیکن دوسرے ممالک کے لوگ دونوں طرف کا خیال رکھتے ہیں۔ وہ گھر کا کام بھی کرتے ہیں اور باہر کا کام بھی کرتے ہیں۔

ہماری جماعت بھی اِس عام ہندوستانی غفلت میں مبتلا ہے۔ اس کے سامنے بھی دین کا کام دو طرح کا ہے ایک گھر کا دوسرا باہر کا۔ مگر وہ ایک یا دوسرے سے غفلت برتتی ہے۔ گھر کا کام تو یہ ہے کہ ہم جماعت کی تربیت کا خیال رکھیں، جماعت کو روزے اور نمازوں کا پابند بنایا جائے اور نصیحت کی جائے کہ کسی کے ساتھ لڑائی جھگڑا نہ کرو، کسی کو نقصان نہ پہنچاؤ، قرآن کریم کا علم سکھایا جائے، حدیث کا علم سکھایا جائے، کسی کی جھوٹی حمایت کرنے سے روکا جائے۔ عام لوگوں میں یہ مرض پایا جاتا ہے کہ اگر کسی کا بچہ ہمسائے یا کسی اَور کے بچے سے لڑے تو وہ شخص بجائے اس کے کہ پہلے تحقیق کرے کہ قصور کس کا تھا اُلٹا اپنے ہمسائے سے لڑنے لگ جاتا ہے اور اپنے بچے کی جھوٹی حمایت کرنا شروع کر دیتا ہے کہ تمہارا بچہ میرے بچے سے کیوں لڑا۔

پس جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کیا وفاتِ مسیح کا مسئلہ ہی رہ گیا ہے جسے ہر وقت بحث کا موضوع بنایا جائے تو اس کے یہ معنے نہیں ہوتے کہ یہ مسئلہ غیروں میں تبلیغ کے لئے بھی ضروری نہیں۔ غیروں میں تبلیغ کا جب بھی موقع آئے گا یہی مسئلہ نہایت ضروری بلکہ اہم ہو جائے گا لیکن چونکہ باہر کے کام یعنی تبلیغ کے ساتھ ہمارے اپنے گھر کا کام یعنی تربیت بھی نہایت ضروری ہے اِس امر کو ظاہر کرنے کے لئے ہم یہ کہا کرتے ہیں کہ کیا وفات مسیح کی بحث کے سوا اَور کوئی کام باقی نہیں رہا۔ کیونکہ جب تک تم میں سے ہر شخص سچائی کو اپنے اندر پیدا نہیں کرتا، جب تک تم میں سے ہر شخص لین دین کے معاملات میں ایمانداری سے کام نہیں لیتا، جب تک تم میں سے ہر شخص دیانت پر قائم نہیں ہوتا، جب تک تم میں سے ہر شخص نمازوں اور روزوں کا پابند نہیں ہوتا، جب تک تم میں سے ہر شخص حج اور زکوٰۃ کے فریضہ کو حسبِ استطاعت ادا نہیں کرتا، جب تک تم میں سے ہر شخص چوری اور چکاری کو نہیں چھوڑتا اور جب تک تم میں سے ہر شخص ممنوعاتِ شرعیہ سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا اُس وقت تک تمہاری تربیت مکمل نہیں ہو سکتی اور تمہارے گھر کو صاف نہیں کہا جا سکتا۔ اِن تمام باتوں پر عمل نہ کرنے کے یہ معنے ہوں گے کہ تمہارا گھر گندہ ہے اور تمہارے گھر میں کئی قسم کی بیماریاں پھیلنے کا خطرہ ہے۔ ایک زمیندار باہر سے کتنا بھی غلہ گھر میں لاوے اگر اُس کا گھر گندہ اور خراب ہو جس سے اُس کے بچوں کو سِل اور دِق کی بیماریاں لگ جانے کا خطرہ ہو تو اس کے زیادہ غلہ لے آنے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ غلہ تو سارے کا سارا گھر کے بیماروں کے علاج معالجہ میں صَرف ہو جائے گا اور گھر کے مکین بھی برباد ہو جائیں گے۔ پس جب ہم یہ کہتے ہیں کہ وفات مسیح کا مسئلہ اہم نہیں ہے تو یہ ہم اپنے گھر کے متعلق کہتے ہیں اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ وفات مسیح کا مسئلہ نہایت اہم ہے تو یہ ہم باہر کے لئے کہتے ہیں اور اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ گھر کے کام کے علاوہ غلہ بھی پیدا کیا جائے۔ ہمارا غیروں میں تبلیغ کرنا ایسا ہی ہو گا جیسے کھیت کی نگرانی کی جائے۔ جب کھیت میں ہل چلانے کی ضرورت ہو ہل چلایا جائے، جب بیج ڈالنے کی ضرورت ہو بیج ڈالا جائے اور جب پانی کی ضرورت ہو پانی دیا جائے۔ اور تربیت کرنا ایسا ہو گا جیسے اپنے گاؤں اور گھر کی صفائی کی جائے، اپنے بچوں کی نگہداشت کی جائے، بیوی اور بچوں کو لباس مہیا کیا جائے اور گھر کی دوسری تمام ضروریات کو

پورا کیا جائے۔ پس ہم تربیت پر اس لئے زور دیتے ہیں کہ گھروں اور شہروں کی صفائی بھی ضروری ہوتی ہے اور تبلیغ پر اس لئے زور دیتے ہیں کہ باہر کے کام یعنی کھیتوں اور فصلوں کی دیکھ بھال بھی ضروری چیز ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم کو یہ گُر بتایا ہے کہ وفات مسیح کا مسئلہ مسلمانوں میں تبلیغ کے لئے نہایت اعلیٰ ہتھیار ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اِس مسئلہ کو چھیڑنے سے دشمن تمہیں ضرور کہے گا کہ اِس مسئلہ کو جانے دو، اِس مسئلہ میں کیا رکھا ہے لیکن اس مسئلہ کو جانے دینا ایسا ہی ہو گا جیسے تمہاری کسی دشمن سے جنگ ہو رہی ہو اور تمہارے پاس دشمن کو کچلنے کے لئے توپیں موجود ہوں اور دشمن کے پاس توپیں نہ ہوں اور وہ تمہیں پیغام بھیجے کہ تم توپوں کو جانے دو اور صرف تیر اور تلوار کی جنگ لڑو۔ تو کیا تم دشمن کے کہنے سے توپوں کو جانے دو گے؟ دشمن تو ہمیشہ تمہارے وار سے بچنے کی کوشش کرے گا اور تمہارے تیز اور بھسم کر دینے والے ہتھیاروں کو دیکھ کر تم سے پیچھا چُھڑانے کی کوشش کرے گا۔ اگر تم اسے مجبور کرو اور کہو کہ ہم کیوں جانے دیں۔ تمہارے مولویوں، علماء، صوفیاء، پیروں، گدی نشینوں نے اسی مسئلہ کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کفر کے فتوے لگائے تھے اس لئے ہم ہرگز نہیں چھوڑیں گے اور جب تک اس کے متعلق فیصلہ کن بات نہ کر لیں گے ہرگز نہیں جانے دیں گے۔ اس طرح دشمن مجبور ہو جائے گا کہ تمہارے دلائل کو سنے اور وہ اقرار کرے گا کہ ہمارے مولویوں، علماء اور گدی نشینوں نے جھوٹ بولا تھا اور وہ اقرار کرے گا کہ ہم لوگ غلطی پر ہیں۔ وہ لوگ صداقت کے سامنے ہرگز نہیں ٹھہر سکتے۔ تمہارے زور دینے سے وہ مجبور ہو جائیں گے کہ تمہارے آگے ہتھیار ڈال دیں۔ پھر تم اُنہیں کہو۔ تم تو کہتے ہو (نَعُوذُ بِاللّٰہ) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جھوٹے تھے اور دجّال تھے۔ مگر کیا تمہارے ہزاروں صوفیاء، علماء، گدی نشین اور بزرگ سب کے سب ہی غلطی پر تھے؟ کیا خدا تعالیٰ کی طرف سے اس غلط عقیدہ کے ابطال کی سمجھ صرف دجّال ہی کو ملی اور تمہارے ان ہزاروں بزرگوں کو نہ ملی؟ حضرت مرزا صاحب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے سچا ہونے کی یہی ایک دلیل کافی ہے کہ تمام جُبّہ پوش صوفیاء اور گدی نشین علماء اور زہاد پیر اور بزرگ کہلانے والے اس نکتہ کو سمجھنے سے قاصر رہے اور ان

کو یہ توفیق خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ملی۔ یہ توفیق ملی تو صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو۔ اِس کا جواب اُس کے پاس کوئی نہ ہو گا۔ اس لئے وہ مجبوراً ہتھیار ڈال دے گا اور اقرار کرے گا کہ واقعی وہ علماء اور صوفیاء اور بزرگ کہلانے والے غلطی پر تھے۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ دشمن کے سامنے جب کوئی بات پیش کی جائے تو معقولیت کے ساتھ پیش کی جائے اور مضبوطی کے ساتھ اس کے ہر اعتراض کو رد کیا جائے۔ ورنہ بڑے بڑے دلائل بھی کام نہیں دے سکتے۔

ہمارے سلسلہ کے ایک بزرگ مولوی عبد القادر صاحب لدھیانوی اچھے عالم اور سلسلہ کے ایک بزرگ شخص تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ابتدائی ایمان لانے والوں میں سے تھے۔ مگر ان میں قوتِ گویائی نہ تھی۔ وہ کہیں غیر احمدی علماء سے وفات مسیح کے مسئلہ پر بحث کرنے کے لئے گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو وفات مسیح کے ثبوت میں قرآن کریم کی تیس آیات اپنی کتابوں میں لکھی ہیں مولوی صاحب نے ان میں سے ایک آیت مخالف کے سامنے پیش کی۔ دشمن نے اس پر اعتراض کر دیا۔ مولوی صاحب بجائے اِس کے کہ اُس کے اعتراض کا جواب دیتے۔ کہنے لگے۔ اچھا۔ اسے نہیں مانتے تو دوسری آیت سنو۔ چنانچہ مولوی صاحب نے پہلی آیت کو چھوڑ کر ایک دوسری آیت پیش کر دی۔ اس نے دوسری آیت پر بھی کوئی اعتراض کر دیا۔ مولوی صاحب نے اسے بھی چھوڑ دیا اور ایک تیسری آیت پیش کر دی۔ آخر لوگ تو سب پر ہی اعتراض کرتے رہتے ہیں بلکہ خدا تعالیٰ پر بھی کئی اعتراض کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔ اسی طرح دیانت اور ایمان کے متعلق بھی اعتراض کر دیا کرتے ہیں اور دشمن کا تو کام ہی اعتراض کرنا ہے خواہ وہ سچائی اور تقویٰ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ جب مولوی صاحب نے تیسری آیت پیش کی تو اُس پر بھی دشمن نے اعتراض کر دیا۔ انہوں نے کہا اچھا اَور سہی۔ مولوی صاحب اسی طرح آیات پیش کرتے گئے اور دشمن سب پر ہی کوئی نہ کوئی اعتراض کرتا گیا۔ آخر تیسوں کی تیسوں آیات ختم ہو گئیں اور مخالف مولوی نے تیسویں آیت پر بھی اعتراض کر کے کہہ دیا۔ اب کوئی اَور آیت ہو تو اُسے پیش کرو۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا مَیں نے تو تیسوں کی تیسوں آیات پیش کی تھیں مگر دشمن نے ہر آیت پر کوئی نہ کوئی اعتراض کر دیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ جب آپ نے دشمن کے سامنے ایک آیت پیش کر دی تھی تو دوسری کی طرف آپ گئے ہی کیوں تھے۔ دشمن تو ہمیشہ اعتراض کیا کرتا ہے مگر ہم نے اس کو سچائی سمجھانی ہوتی ہے۔ وہ بیمار ہوتا ہے اس لئے وہ ہماری ہر بات پر اعتراض کرتا ہے مگر ہمارا کام ہے کہ سچائی پر قائم رہیں اور جب تک دشمن سے اس سچائی کا اقرار نہ کرا لیں اس کو نہ چھوڑیں۔ دشمن تو جب بھی ہم کوئی سچائی پیش کریں گے یہی کہے گا اس کو بھی چھوڑو، اس کو بھی جانے دو۔ مگر تم اسے کہو کہ یا تو تسلیم کرو کہ وہ بات جو ہم نے پیش کی ہے ٹھیک ہے۔ اور اگر یہ غلط ہے تو کہو کہ غلط ہے۔ چھوڑ دینے اور جانے دینے کے کیا معنی ہیں۔ اور ہم اس کو چھوڑ کیسے دیں جبکہ ہزار سال سے تم غلطیاں کرتے آرہے ہو۔ تمہارے علماء، صوفیاء اور پیروں اور گدی نشینوں نے اسی مسئلہ پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور ہماری جماعت پر کفر کے فتوے لگائے اور اب کہتے ہو اِس مسئلہ کو چھوڑ دو اور جانے دو۔ ہم اس کو کیسے چھوڑ دیں۔ یا تو مانو کہ یہ صحیح ہے جو ہم کہتے ہیں اور یا کہو کہ یہ غلط ہے۔ اور اگر غلط کہتے ہو تو ہمارے ساتھ بحث کرو۔ اس پر یا تو وہ تمہارے ساتھ بحث کرے گا اور یا تمہارے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گا۔ پھر تم اسے یہ بھی سمجھاؤ کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ تمہارے ہزاروں ہزار علماء، صوفیاء اور خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے بڑے بڑے دعوے کرنے والوں کو تو اس نکتہ کی سمجھ نہ آئی اور حضرت میرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سمجھ آئی جو تمہارے زعم میں (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ) کافر اور دجال تھے۔ قرآن کریم کا صحیح علم تو اس کو آتا ہے جو پاک انسان ہو اور خدا تعالیٰ کا مقرب ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ۔ 3 یعنی قرآن کریم کا علم صرف اُسی کو عطا کیا جاتا ہے جو مطہر ہو۔ یہ جو مطہر کی شرط رکھی گئی ہے یہی ثبوت ہے اس بات کا کہ حضرت مرزا صاحب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) یقیناً اُن تمام علماء، صوفیاء، پیروں اور گدی نشینوں سے زیادہ مطہر تھے۔ اسی لئے تو آپ پر یہ باریکی کھلی۔ اگر وہ مطہر نہ ہوتے تو آپ پر یہ باریکی کیسے کھل سکتی تھی۔ پس اس رنگ میں دشمن کو مجبور کرو کہ وہ تمہارے سامنے اپنی شکست مان جائے اور پھر کبھی سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔ ایک مسئلے کو دشمن کے سامنے پیش کرنا اور اس مسئلے کو پیش کرنا جو دشمن کے لئے توپ کے گولے سے کم نہیں

اور پھر دشمن کے اتنا کہہ دینے پر کہ اس مسئلہ کو جانے دو اُس کو جانے دینا کیا اس سے بڑھ کر بھی اَور کوئی نادانی کی بات ہو سکتی ہے؟ دشمن تو ہمیشہ تمہیں یہی کہتا رہے گا کہ اِس مسئلے کو چھوڑو ہمیں اِس سے کیا؟ مسیح زندہ ہو یا وفات یافتہ ہمیں تو قرآن کریم سے کام ہے۔ مگر تم دشمن کے کہنے میں ہرگز نہ آؤ اور اسے کہو کل تو تم کفر کے فتوے لگاتے پھرتے تھے اور آج کہتے ہو ہمیں اس سے کیا مسیح زندہ ہو یا وفات پا گیا ہو۔ یا تو ہماری پیش کردہ صداقت کو قبول کرو اور یا میدان میں اُترو، ہم تمہیں ہرگز نہیں جانے دیں گے جب تک کوئی فیصلہ کن نتیجہ نہ نکل آئے۔ کیا کفر کے فتوے لگانا آسان ہے؟ آجکل عَوَامُ النَّاس کو مولویوں نے یہ پٹّی پڑھائی ہے کہ وفات مسیح کے مسئلہ پر بحث کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ بحث ہماری شکست کا باعث ہوگی اور جن لوگوں میں بیٹھ کر ہم بڑی بڑی ڈینگیں مارتے ہیں ان کی موجودگی میں بحث کرنے کے یہ معنے ہوں گے کہ ہمارا سارا پول کھل جائے گا اور ہماری علمیت لوگوں پر ظاہر ہو جائے گی۔ پس اس مسئلہ کو نہ چھوڑو اور اصرار سے اپنے مدمقابل کو اور ہر غیر احمدی رشتہ دار کو پکڑو اور کہو۔ ہزار سال سے تمہارے علماء، صوفیاء اور بزرگ سب کے سب یہی کہتے آئے اور اِسی غلط عقیدہ کو لوگوں میں پھیلاتے آئے کہ مسیحؑ آسمان پر زندہ ہے مگر حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آکر اس غلط عقیدہ کو باطل کیا اور صداقت کو ثابت کیا اور قرآن کریم سے ثابت کیا۔ کیا قرآن کریم کو صحیح طور پر سمجھنے والا نَعُوْذُ بِاللّٰہ دجال ہے؟ کیا وہ علماء اور صوفیاء اچھے ہیں جنہوں نے لاکھوں اور کروڑوں لوگوں کے ایمانوں کو ضائع کیا یا (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ) وہ دجال اچھا ہے جس نے حق اور باطل میں فرق کر کے دکھا دیا؟ یہ ایک سیدھی اور واضح حقیقت ہے جس کو مان لینے سے کوئی گریز نہیں کر سکتا۔ اور اگر کوئی کرے تو تم اُسے پکڑو اور کہو کہ تم نے اور تمہارے علماء اور تمہارے دوسرے بزرگ کہلانے والوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور ہم پر اسی مسئلہ کی وجہ سے کفر کے فتوے لگائے ہوئے ہیں۔ اس لئے ہم نہیں جانے دیں گے ہمارے ساتھ فیصلہ کر کے جاؤ۔ اگر تم اسے غلط سمجھتے ہو تو کہہ دو کہ غلط ہے۔ اگر صحیح سمجھتے ہو تو پھر بھاگتے کیوں ہو اور پیچھا چُھڑانے کی کوشش کیوں کرتے ہو؟ اگر یہ صحیح ہے تو اس کو قبول کرو اور اپنے آبائی غلط عقیدے کو ترک کرو اور خدا تعالیٰ کے سامنے اپنی تمام

غلطیوں کا اقرار کر کے اس سے معافی مانگو۔

اسی طرح تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی اس صداقت کی طرف لایا جاسکتا ہے۔ بعض اوقات وہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ ایمانیات میں نہیں اِس لئے چلو ہم مسیحؑ کو وفات یافتہ مان لیتے ہیں۔ مگر تم انہیں کہو چلو مان لیتے ہیں تو کوئی معنی ہی نہیں رکھتا اور اِس مسئلے کا یہ جواب ہی نہیں ہو سکتا۔ سیدھی طرح یا تو مانو اور یا انکار کر دو۔ جب قرآن کریم سے مسیحؑ کی وفات ثابت ہوتی ہے تو اس کے ماننے میں تمہیں کیا انکار ہو سکتا ہے۔ اگر وہ اس کو مان جائے تو اسے کہو کہ ہزار سال گزشتہ کے علماء، صوفیاء اور تعلق باللہ کے دعویداروں سے یہ صداقت کیوں نہ ثابت ہو سکی اور یہ عقیدہ حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہی کیوں کُھلا۔ وہ اس قابل ہیں کہ ان کی تقلید کی جائے جن پر قرآن کریم کُھلا یا وہ علماء اور صوفیاءِ اس قابل ہیں کہ ان کی تقلید کی جائے جنہوں نے کروڑوں کروڑ انسانوں کو یہ غلط عقیدہ بتایا؟ اِس کے بعد تعلیم یافتہ طبقہ میں صداقت پیش کرنے کا دوسرا گُر یہ ہے کہ ان پر اس بارے میں زور دیا جائے کہ اگر تو اسلام سچا مذہب ہے تو کوئی ایسی تجویز ہونی چاہئے جس سے اسلام کی حفاظت کی جاسکے۔ کیونکہ اسلام اس وقت چاروں طرف سے مصائب میں گھرا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہیں سمجھاؤ کہ جو مصائب آئے دن اسلام پر آرہے ہیں اِن سب کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں پیشگوئیاں موجود ہیں اور انہی حدیثوں میں مسیح موعود کی آمد کی خبر بھی دی گئی ہے۔ اب تمہارا یہ کہہ دینا کہ مسیح نہیں آئے گا یہ کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ ہم کہتے ہیں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انہی پیشگوئیوں میں سے جو اِس زمانے کے متعلق تھیں سینکڑوں پوری ہوئیں اور ہو رہی ہیں تو ان کے ساتھ والی پیشگوئی جو کہ انہی پیشگوئیوں کا جُزو ہیں یعنی جب فلاں فلاں باتیں پوری ہوں گی مسیح موعود آئے گا وہ کیوں پوری نہ ہوئی۔ حدیثیں بیان کرنے والے راویوں نے کس طرح تیرہ سو سال پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اس زمانہ کی عورتیں اس قسم کے لباس پہنیں گی جس سے ان کے جسم ننگے معلوم ہوں گے، پردہ کا رواج جاتا رہے گا، لوگ شراب پینا کثرت سے شروع کر دیں گے۔ جوئے بازی عام ہو گی، چوری چکاری کثرت سے ہو گی۔ پھر انہوں نے یہ کیسے بتا دیا تھا کہ عیسائی تمام دنیا پر غالب آجائیں گے حالانکہ اُس زمانہ میں یہ باتیں نہ تھیں۔ اُس زمانہ میں تو عیسائی

ہر جگہ مغلوب تھے اور اُس وقت عیسائیت ایسی ہی تھی جیسے آجکل کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہیں۔ یہ تو مسلمانوں کی غفلت تھی کہ انہوں نے عیسائیوں کو سر اٹھانے دیا ورنہ عیسائیت کوئی ایسی طاقت نہ تھی کہ بڑھ جاتی۔ اُس وقت جبکہ عیسائیت کی ترقی کے کچھ بھی آثار نہ تھے راویوں نے کس طرح یہ خبر دی کہ عیسائی اتنے عرصہ کے بعد تمام دنیا پر غالب آجائیں گے اور پھر یہ کس طرح خبر دی کہ ایک نئی قسم کی سواری نکل آئے گی اور اونٹنیاں بیکار ہو جائیں گی۔ پھر یہ کس طرح خبر دی تھی کہ ایک گائے کا سر ہزار روپے میں فروخت ہو گا۔ یہ تمام خبریں ایسے وقت میں دی گئی تھیں جب کہ ہر شخص سوائے کامل ایمان والوں کے ان باتوں کو ماننے کے لئے تیار نہ تھا اور کفار ایسی باتیں سن کر تمسخر اڑاتے تھے۔ پس اس وقت یہ خبر دینا کہ اتنے عرصہ کے بعد یوں ہو جائے گا جبکہ اس کے متعلق کوئی آثار ہی نہ پائے جاتے تھے اور پھر ان تمام پیشگوئیوں کا حرف بحرف پورا ہونا کیا ایسی خبریں جھوٹی کہلاتی ہیں؟ اگر یہ سچی ہیں اور یقیناً سچی ہیں تو انہی خبروں میں حضرت مسیح موعودؑ کی آمد کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور جس کا آنا انہی خبروں کے پورا ہونے کے ساتھ وابستہ تھا۔ صرف یہی پیشگوئی کیوں نہ پوری ہوئی اور باقی تمام پوری ہو گئیں۔ مثلاً رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی یہ پیشگوئی کہ ایک گائے کا سر ہزار روپیہ میں فروخت ہو گا۔**4** یہ نہایت عظیم الشان رنگ میں پوری ہوئی۔ بلکہ ہزار روپیہ کو چھوڑ، کروڑوں روپیہ تک میں ایک گائے کا سر فروخت ہوا۔

پچھلی جنگ میں جرمن سکہ کی قیمت اتنی گر گئی تھی کہ حد ہی ہو گئی اور لوگوں نے یہاں کے روپیہ سے جرمن سکہ بدلنا شروع کر دیا تھا۔ اس وقت مجھے بھی بعض لوگوں نے تحریک کی کہ آپ بھی کچھ سکہ بدل لیں۔ چنانچہ مَیں نے اپنے ایک عزیز سے کہا کہ تم جرمنی جاکر تعلیم حاصل کر آؤ کیونکہ میرا خیال تھا کہ وہاں تھوڑے سے روپے میں تعلیم حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ مَیں نے دو ہزار روپیہ جرمنی کے ایک بنک میں بھیج دیا جس کے بدلے میں جرمن سکہ وہاں میرے حساب میں قریباً دو تین لاکھ جمع ہو گیا۔ اُس وقت ہمیں اِن باتوں کا تجربہ نہ تھا اور اس وقت رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی ان حدیثوں کی طرف ہمارا ذہن نہ گیا کہ یہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس میں فائدہ نہیں بلکہ خرابی اور نقصان ہے۔ خیر مَیں نے اپنے اُس عزیز کو جرمنی روانہ کر دیا مگر

رستہ میں اُسے حالات کچھ اِس قسم کے پیش آ گئے کہ وہ بجائے جرمنی جانے کے انگلستان چلا گیا۔ اس کے بعد خبریں آتی رہیں کہ اب جرمن سکہ کی قیمت اَور گر گئی ہے، اب اَور گر گئی ہے یہاں تک کہ آخر میں اِس حد تک گر گئی کہ جب پھر بنک کو لکھا کہ میرے روپیہ کا اب کیا حال ہے؟ اُس میں سے کچھ مجھے مل بھی سکے گا یا نہیں؟ تو اِس کا جواب آیا کہ اب تو ایک پونڈ کی قیمت کئی کروڑ روپیہ تک پہنچ گئی ہے۔ اگر آپ اپنا روپیہ واپس منگوانا چاہیں تو وہ اب اِتنا بھی نہیں جو ڈاک کے ایک ٹکٹ کی قیمت کے برابر ہو سکے۔ ہمارے اس جواب پر جو ٹکٹ لگتا ہے وہ اس روپیہ سے زیادہ قیمتی ہے جو آپ کا ہمارے پاس جمع ہے۔ اس پر مَیں نے لکھ دیا کہ بہتر ہے کہ اب میرا حساب ختم سمجھا جائے۔ اور اس روپیہ پر اِنَّا لِلّٰہِ پڑھ دیا۔ اِس طرح وہ دو ہزار روپیہ تو ضائع ہو گیا مگر اس سے ایک سبق مجھے حاصل ہو گیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مجھ پر حل ہو گئی۔ بات یہ ہے کہ اصلی روپیہ کی قیمت نہیں گر سکتی۔ وہ سکّہ جس کی قیمت گر جاتی ہے وہ کاغذی روپیہ اور نوٹ ہوتا ہے۔ سونے اور چاندی کے سکّے کی قیمت نہیں گرتی۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے آجکل کے بعض ساہوکار کرتے ہیں کہ اگر کسی زمیندار کے پاس ان کا روپیہ پھنس جائے تو وہ دوسرے ساہوکار سے کہتے ہیں میرا ہزار روپیہ فلاں زمیندار کے پاس پھنسا ہؤا ہے اُس کا پرونوٹ مَیں تمہیں پانچ سو روپے میں دیتا ہوں۔ دوسرا ساہوکار بھی لالچ میں آجاتا ہے اور وہ پرونوٹ پانچ سو روپے میں لے لیتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اگر قسمت سے ملے گا تو پانچ سو کی بجائے ہزار ملے گا اور پانچ سو مفت میں نفع ہو گا۔ اِسی طرح جرمن نوٹوں کی ساکھ کھوئی گئی تھی اور قیمت گر گئی تھی۔ اُن دنوں دس کروڑ روپیہ تو بُوٹ کی قیمت تھی۔ گائے کا سر تو خدا جانے کتنے کو بِکا ہو گا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے کے سر کی قیمت لاکھوں اور کروڑوں روپے بتائی ہو گی۔ مگر حدیث بیان کرنے والوں میں سے راوی نے سمجھا کہ میرے اس بیان کو کوئی تسلیم نہیں کرے گا اِس لئے لاکھوں اور کروڑوں کو گھٹا کر ہزار روپیہ کہہ دیا۔

جیسے کہتے ہیں کسی مسجد میں کوئی نابینا مولوی تھا اُس سے گاؤں کے لوگ تاریخیں پوچھا کرتے تھے۔ وہ چاند کی تاریخوں کا کچھ حساب رکھتا تھا اور لوگ بیاہ شادی کے موقع پر اس سے

تاریخ پوچھ لیا کرتے تھے کہ آج کیا تاریخ ہے اور چاند کی چودہ کب ہو گی یا فلاں تاریخ کتنے دنوں کے بعد آئے گی؟ اُس مولوی نے مسجد کے ایک کونے میں ایک گھڑا رکھا ہوا تھا اور اُس کے پاس ہی اس نے تیس کنکر رکھے ہوئے تھے۔ جب نیا چاند چڑھتا وہ لوگوں سے پوچھ کر کہ چاند آج چڑھا ہے ایک کنکر گھڑے میں ڈال دیتا تھا اور اس کے بعد وہ روزانہ ایک کنکر ڈال دیا کرتا تھا۔ اور جب کوئی تاریخ پوچھنے آتا تو وہ گھڑے میں سے کنکر گِن کر بتا دیا کرتا تھا۔ ایک دن جب کسی شخص نے تاریخ پوچھی تو حافظ صاحب مسجد کے اندر چلے گئے اور تھوڑی دیر گزرنے کے بعد واپس آکر اُس کو تاریخ بتائی۔ اتفاقاً اُس دن کچھ لڑکے بھی یہ بات دیکھ رہے تھے۔ لڑکے شریر ہوتے ہیں انہوں نے سوچا کہ جب کوئی حافظ صاحب سے تاریخ پوچھتا ہے تو بجائے اُسی وقت بتا دینے کے اندر جاتے ہیں اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر تاریخ بتاتے ہیں دیکھیں تو سہی وہ اندر کیوں جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ اندر چلے گئے اور دیکھا کہ مسجد کے کونے میں ایک گھڑا رکھا ہے اور کچھ کنکر اس کے اندر پڑے ہیں اور کچھ پاس ہی رکھے ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے سمجھ لیا کہ یہی کنکر گِن کر حافظ صاحب تاریخ بتاتے ہیں۔ ان لڑکوں کو شرارت سُوجھی اور اپنی جھولیوں میں کنکر بھر کر لے آئے اور دبے پاؤں مسجد کے اندر جا کر گھڑے کو کنکروں سے بھر دیا۔ ایک دن کسی عورت نے آکر حافظ صاحب سے تاریخ پوچھی تو وہ اٹھ کر تاریخ گننے کے لئے اندر چلے گئے۔ اب بجائے اس کے کہ وہ گھڑے کو کنکروں سے بھرا ہو دیکھ کر اس شرارت کو سمجھ جاتے انہوں نے کنکروں کو گِننا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس عورت نے باہر سے آواز دی کہ جلدی تاریخ بتاؤ مگر کنکر کوئی تھوڑے سے تو نہ تھے کہ اتنی جلدی گِنے جاسکتے وہ گنتے چلے گئے۔ اتنے میں باہر سے پھر شور ہوا کہ تاریخ کیوں نہیں بتاتے؟ اندر کیا کر رہے ہو؟ مگر حافظ صاحب کنکر گننے میں لگے رہے۔ بھلا وہ گِن چکیں تو تاریخ بتائیں بغیر گنے کے کیسے بتائیں۔ جب عورت نے دو چار دفعہ آوازیں دیں اور حافظ صاحب نے تاریخ نہ بتائی تو اس نے کہا یہ کیا مخول ہے مَیں اِتنی دیر سے باہر کھڑی آوازیں دے رہی ہوں۔ جلدی تاریخ بتاؤ۔ اتنے میں حافظ صاحب کئی ہزار کی تعداد تک کنکر گِن چکے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ وہ عورت ناراض ہو رہی ہے تو وہ گھبرا کر باہر نکلے اور کہا آج کوئی دو سوویں تاریخ ہے۔ جب

انہوں نے کہا کہ آج کوئی دو سوویں تاریخ ہے تو اس عورت نے سمجھا کہ حافظ مذاق کرتا ہے۔ اس نے کہا تمہیں خدا کا خوف نہیں آتا کہ عورتوں سے مذاق کرتے ہو۔ مَیں ابھی جا کر چودھری کو بتاتی ہوں۔ حافظ یہ دھمکی سن کر ڈر گئے اور بولے کہ مائی خدا کا خوف کر کے ہی مَیں نے دو سوویں تاریخ کہا ہے ورنہ گھڑے کے کنکروں سے تو پتہ چلتا ہے کہ کئی ہزارویں تاریخ ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہی حال اس حدیث سنانے والے راوی کا تھا کہ جب اس تک یہ روایت آئی کہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا ہے کہ لاکھوں روپیہ تک گائے کا سر فروخت ہو گا تو وہ ڈر گیا اور خیال کیا کہ لاکھوں روپیہ تو کوئی نہ مانے گا اس لئے بہتر ہے کہ ہزاروں ہی بتا دیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ قیمتیں گر چکی تھیں ہزاروں نہیں بلکہ کروڑوں روپیہ میں گائے کا سر فروخت ہوتا تھا اور اس نکتہ کو نہ سمجھتے ہوئے اس زمانہ میں جو ایک اخبارات پڑھنے والا آدمی دھوکے میں آ گیا اور دو ہزار روپیہ ضائع کر دیئے اور قیمتیں اِتنی گر گئیں کہ ایک پونڈ کی قیمت دس ارب روپے تک پہنچ گئی۔ اور میرے جو چند لاکھ روپے بنک میں جمع تھے ان کی قیمت ایک روپے کے ہزارویں حصے سے بھی کم ہو گئی بلکہ مجھے تو اس روپے کے بدلے میں ایک پیسے دھیلے اور دمڑی کا سواں حصہ بھی نہ ملتا اور دمڑی کا سواں حصہ تو ہوتا ہی نہیں۔

پس تم مخالف سے کہو کہ یہ خبریں اِس زمانہ کے لوگ چند سال پہلے بھی قیاس نہ کر سکتے تھے۔ جھوٹوں اور دغابازوں کو کیسے معلوم ہوئیں۔ یقیناً یہ خبریں عالم الغیب خدا نے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ سے کہی تھیں۔ اور جب رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی حدیثوں کی باقی تمام خبریں پوری ہو گئیں تو مسیح کی آمد کی خبر کیوں پوری نہ ہوئی؟ اور جب یہ تمام پیشگوئیاں اتنے عظیم الشان رنگ میں پوری ہوئیں تو تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ یہ خبریں بیان کرنے والے جھوٹے تھے۔ جن کی حدیثوں میں یہ خبریں بیان ہوئی ہیں انہی حدیثوں میں مسیح کی آمد کی خبریں بھی ہیں۔ اگر تمہارا مخالف ایک خبر کو جھوٹا کہے گا تو اسے باقی سب کو بھی جھوٹا کہنا پڑے گا اور (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ) امام بخاری رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ سے لے کر ایک ادنیٰ سے ادنیٰ درجے والے راوی کو جھوٹا کہنا پڑے گا۔ یہ اتنا عظیم الشان ثبوت ہے کہ کوئی اس کو ماننے سے گریز نہیں کر سکتا۔ مَیں نے تو مثال کے طور پر صرف چند باتیں بیان کر دی ہیں ورنہ سینکڑوں کی تعداد میں ایسی خبریں ہیں جو

اس زمانہ میں پوری ہو رہی ہیں اور انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسیح موعودؑ آئے گا۔ جب وہ ساری کی ساری خبریں پوری ہو چکی ہیں تو مسیح موعود (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی خبر بھی ضرور پوری ہو چکی ہو گی۔ مسیح موعودؑ کی آمد کے زمانہ کی جتنی علامتیں حدیثوں میں بیان ہوئی ہیں وہ سب پوری ہو چکی ہیں۔ جب وہ تمام علامتیں آ گئیں تو ہم ایک مخالف سے کہہ سکتے ہیں کہ لاؤ مسیح کہاں ہے؟ جب خدا تعالیٰ کہتا ہے، خدا تعالیٰ کا رسول (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کہتا ہے کہ اس زمانہ میں مسیحؑ آئے گا تو تم کون ہوتے ہو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کو جھٹلانے والے؟ اب یا تو تمہیں مسیحؑ اور مہدیؑ لانے پڑیں گے یا یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت میرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام سچے تھے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یہ زمانہ مسیحؑ کا ہے۔ خدا تعالیٰ کے رسول (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) نے فرمایا ہے کہ یہ زمانہ مسیحؑ کا ہے۔ اگر حضرت میرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) سچے نہ تھے تو تم سچے مسیح کو پیش تو کرو۔ یہ ایک ایسی زبردست دلیل ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ مجبور ہو جائے گا کہ یا تو وہ تمہاری پیش کردہ صداقت کو مان لے یا تمہارے ساتھ بحث کرنے کے لئے تیار ہو جائے اور یہی تمہاری فتح کی علامت ہو گی۔ اِس صداقت کو لے کر ہم جہاں بھی چاہیں لڑیں ہمیں ضرور کامیابی ہو گی۔ (اِنْشَاءَ اللّٰہُ)۔

جب رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بدر کے موقع پر جنگ کے لئے نکلے تو اس وقت یہ حالت تھی کہ بدر کے میدان میں پانی کے چشمے کے ایک طرف ریت تھی اور دوسری طرف میدان تھا۔ اور دشمن پانی کے چشمہ سے کچھ فاصلے پر ایک چٹیل میدان میں اُتر پڑا تھا۔ دشمن نے یہ اندازہ لگایا کہ ہم اپنے میدان میں اترتے ہیں۔ جب مسلمان حملہ کریں گے تو چونکہ ہمارے میدان کی زمین سخت ہو گی ہم آسانی سے بھاگ دوڑ کر سکیں گے۔ ہمارے پیدل اور سوار دستوں کو اِدھر اُدھر حرکت کرنے میں آسانی ہو گی۔ اور چونکہ ریت نہ ہو گی ہم آسانی سے مسلمانوں کو تباہ کر سکیں گے۔ جب رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم وہاں پہنچے تو ایک صحابی نے آپ کو مشورہ دیا کہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگے بڑھ کر قریش سے قریب ترین چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے کیونکہ جب پانی کا چشمہ ہمارے قبضہ میں ہو گا اور دشمن کو پانی نہیں مل سکے گا تو آخر دشمن مجبور ہو جائے گا کہ بھاگ نکلے یا ہتھیار ڈال دے۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے صحابی کی اس تجویز کو

پسند فرمایا اور ریت کے میدان میں اُترنے کا حکم دے دیا اور چشمے پر قبضہ کر لیا۔5 لیکن دقّت یہ تھی کہ دشمن چونکہ چٹیل میدان میں اُترا تھا وہ آسانی سے اِدھر اُدھر حرکت کر سکتا تھا اور مسلمان جس جگہ اُترے تھے وہاں ریت تھی اور ریت پر آسانی سے حرکت نہ کی جا سکتی تھی کیونکہ اس پر چلنے سے پیر ریت میں دھنس جاتے تھے۔ ایک شخص تیر اور نیزہ کی لڑائی میں دشمن سے تبھی بچ سکتا ہے جب وہ آسانی سے آگے پیچھے دائیں بائیں حرکت کر سکے اور جب دشمن تیر یا نیزہ مارے تو اِدھر ہٹ جائے یا اُدھر ہٹ جائے۔ اور اس قسم کی لڑائی میں ہر شخص یہی کوشش کرتا ہے کہ وہ دشمن کے نشانہ کے سامنے نہ رہے کیونکہ دشمن کے وار سے بچنے کے لئے دائیں بائیں یا آگے پیچھے حرکت کی ضرورت ہوتی ہے اور نہایت تیزی اور پُھرتی سے حرکت کرنی پڑتی ہے۔ مگر ریت میں ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ پیر ریت میں دھنس جاتے ہیں اور حرکت کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے تو پہلے یہ تجویز کی تھی کہ ہم چٹیل میدان میں اُترتے ہیں۔ اِس طرح ہم آزاد ہوں گے اور دشمن آزاد نہ ہو گا مگر اس صحابی کے کہنے پر پانی کے چشمہ پر قبضہ کر لیا گیا تھا لیکن دقّت یہ پیش آگئی کہ دشمن تو تیزی سے حرکت کر سکتا تھا اور مسلمان نہ کر سکتے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ نے رات کو بارش برسا کر مسلمانوں کے میدان کو اصلی بنا دیا اور دشمن کے میدان کو نقلی بنا دیا۔ رات کو جب بارش ہوئی تو مسلمانوں کی کامیابی کے آثار پیدا ہو گئے کیونکہ بارش سے ریت سخت ہو جاتی ہے اور اس پر چلنے سے پیر اس میں نہیں دھنستا اور بارش سے مٹی کیچڑ بن جاتی ہے اور اس میں حرکت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پس جب پانی سے ریت دب گئی تو نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود دشمن کے بہت زیادہ تعداد میں ہونے کے بارش نے جنگ کے میدان کا نقشہ بالکل بدل دیا۔ اور جب لڑائی شروع ہوئی تو وہی دشمن جو کل یہ سمجھا ہوا تھا کہ مسلمان چونکہ ریت میں اُترے ہیں اِس لئے اُن کو تباہ کرنا کونسا مشکل ہو گا۔ وہ خود کیچڑ میں پھنس گیا۔ جس کی وجہ سے نہ تو دشمن کے سوار اور نہ ہی پیدل آسانی سے حرکت کر سکتے تھے۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔

پس جو عقلمند اور تجربہ کار جرنیل ہوتے ہیں وہ ہمیشہ یہی کوشش کرتے ہیں کہ دشمن کو اس میدان میں لایا جائے جو ان کے اپنے لئے مفید ہو اور جو میدان دشمن کے لئے مفید ہو سکتا ہو

اُس میں وہ کبھی نہیں گھستے۔ جو جرنیل دشمن کے مقرر کردہ میدان میں بے دیکھے چلا جائے وہ لڑائی ہار دیتا ہے۔ اِسی لئے دشمن کو اپنے میدان میں لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جس طرح ہتھیاروں کی جنگ میں دشمن کو میدان میں لانا ضروری ہوتا ہے ویسے ہی تبلیغی جنگ میں بھی دشمن کو اپنے میدان میں لانا ضروری ہوتا ہے۔ تبلیغی جنگ تبھی جیتی جاسکتی ہے جب ہم دشمن کو ان دلائل کی طرف لائیں جو یقینی طور پر ہمارے حق میں ہوں اور جس میدان میں ہم نے دیکھا اور آزمایا ہؤا ہے کہ دشمن ہم سے ہار گیا ہے اور وہ کبھی اس صداقت کے مقابلے کی تاب نہیں لاسکتا۔ اس میں شک نہیں کہ دشمن اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے باوجود شکست خوردہ ہونے کے شکست نہیں مانتا۔ مگر ہمیں اس کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ ہم دشمن کو اس کی شکست والے میدان میں پکڑیں گے۔ اگر وہ مانے گا تو چاروں شانے چت گرے گا۔ اگر وہ بھاگے گا تو اس کے ساتھیوں، ماننے والوں اور مقتدیوں پر اثر پڑے گا۔ چنانچہ وفات مسیحؑ کا مسئلہ ایسا ہے جس کے مقابلے سے دشمن مدتوں سے بھاگ چکا ہے اور انگریزی خواں طبقہ کے لئے کیا اور اردو خواں طبقہ کے لئے کیا، عَوَامُ النَّاس کے لئے کیا اور خواص کے لئے کیا، مولویوں کے لئے کیا اور گدی نشینوں کے لئے کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی ہتھیار کو چنا اور خدا تعالیٰ کے حکم سے چُنا۔ اور اِس ہتھیار سے دشمن کو ایسا مارا، ایسا پیٹا کہ اس کا کچومر نکال دیا اور وہ تاقیامت اُٹھنے کے قابل نہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اب دشمن ہمیں دوسرے میدان کی طرف کھینچتا ہے مگر یہ کتنی نادانی کی بات ہوگی۔ اگر ہم اس میدان میں چلے جائیں جس میں دشمن ہمیں کھینچنا چاہتا ہے۔ ہماری تو یہ کوشش ہونی چاہئے کہ ہم دشمن کو اپنے میدان میں کھینچ کر لائیں اور اس سے یہ بات منوائیں کہ تمہارے علماء اور صوفیاء تمہارے پیر اور گدی نشین سب کے سب جھوٹ بولتے تھے اور اس صداقت کو صرف اور صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش کیا۔ جب یہ ہو جائے گا وہ ہر مسئلے میں تم سے دب کر رہے گا۔

پھر تم اُسے یہ بھی کہو کہ تمہارے صوفیاء، علماء، بزرگ، صلحاء، پیر اور گدی نشین اس بات کو پیش کرتے ہیں جس کو عقل بھی رد کرتی ہے، نقل بھی رد کرتی ہے، قرآن کریم بھی رد کرتا ہے اور رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی حدیث بھی رد کرتی ہے اور خدا تعالیٰ کا فعل اور سنت بھی

اس کو رد کرتے ہیں۔ کیا تم ہمیں ان کی طرف کھینچتے ہو جن کی بات کو کوئی بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں؟ اِس کے مقابل پر ہم تمہیں اس کی طرف بلاتے ہیں جس نے خدا تعالیٰ کے فضل سے اکیلے کھڑے ہو کر تمہارے صدیوں کے علماء اور صوفیاء کو رگید کر رکھ دیا۔ کیا ہم ایسے لوگوں کے پیچھے جائیں جنہوں نے ایسی شکست کھائی کہ جس مسئلے پر پہلے وہ کفر کے فتوے لگاتے پھرتے تھے ابھی ان پر موت بھی نہ آئی تھی کہ وہ اُسی مسئلے کے متعلق یہ کہنے لگ گئے کہ یہ مسئلہ اہم نہیں ہے اور معمولی ہے؟

پھر اُن کو کہو کہ وہ اب اپنے مولویوں سے جا کر پوچھیں کہ اگر یہ مسئلہ معمولی تھا اور اہم نہیں تھا تو بے حیاؤ! اس کے لئے تم نے کفر کے فتوے کیوں لگائے تھے؟ اور شکست تو مرنے کے بعد یا ایک مدت کے بعد ہوتی ہے مگر یہ تو تمہاری زندگی میں ہی ہو گئی۔ اور تھوڑا عرصہ پہلے جس مسئلہ پر تم کفر کے فتوے لگاتے تھے اب کہنے لگے ہو کہ یہ معمولی مسئلہ ہے۔ اس سے زیادہ کمزوری ان کے اندر اور کیا ہو سکتی ہے۔ کیا ان کے ایمان اور دیانت میں خلل نہیں واقع ہو چکا؟ کیا اگر وہ کفر کے فتوے لگانے کے وقت ایماندار تھے تو اب بے ایمان نہیں ہو چکے؟ کُجا یہ کہ اس مسئلے کو لے کر وہ گھر گھر، گلی گلی اور ملک ملک میں سرگرداں پھرے اور انہوں نے کفر کے فتوے تیار کئے اور کُجا اب یہ حالت ہے کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ وفات مسیح کا مسئلہ اہم نہیں ہے اِس کو جانے دو۔ پس یہ ایک ایسا کارآمد حملہ ہے جس میں دشمن ہرگز نہیں بچ سکتا۔

اِسی طرح تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی توجہ دلاؤ کہ کیا دین کے ضعف کا کوئی علاج کرنا چاہئے یا نہیں؟ پھر انہیں سمجھاؤ کہ اگر تم کہو کہ (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) یہ حدیثیں جھوٹی ہیں جن میں مسیح کی آمد کا ذکر ہے تو ان مولویوں نے اتنا سچ کیسے بتادیا؟ ان حدیثوں میں اتنا غیب بیان ہوا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہزار سے زیادہ نبیوں نے بھی اتنی خبریں نہ دی تھیں۔ کیا ان حدیثیں بیان کرنے والوں کو بنی اسرائیل کے نبیوں سے زیادہ غیب حاصل ہوتا تھا؟ گویا اُنہوں نے اس زمانے کے تمام حالات کا نقشہ اور فوٹو کھینچ کر رکھ دیا۔ کیا اس قسم کا نقشہ اور فوٹو کھینچ لینا کذابوں اور جھوٹوں کا کام ہو سکتا ہے؟ جن حدیثوں میں یہ خبریں بیان ہوئی تھیں جو اس زمانے میں پوری ہوئیں۔

اُنہیں حدیثوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کی خبر بھی بیان ہوئی ہے۔ اگر تم اُن حدیثوں کے باقی حصوں کو صحیح مانتے ہو تو انہیں حدیثوں کے اس حصہ کو جو مسیح موعود (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے متعلق ہے۔ ماننے میں تمہیں کیوں انکار ہے؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ حدیثیں راویوں نے اپنے پاس سے ہی گھڑ کر بیان کر دیں اور دراصل رسول کریم ﷺ نے یہ خبریں بیان نہیں فرمائی تھیں؟ مگر کیا یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ہتک نہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو خدا تعالیٰ کے رسول تھے انہوں نے تو قیامت تک کے لئے غیب کی کوئی خبر نہ دی لیکن بعض جھوٹوں اور کذابوں نے غیب کی خبریں اس قدر بیان کر دیں جو نہایت عظیم الشان طور پر پوری ہوئیں؟ کیا یہ کہنے سے ان کو زک نہ پہنچے گی؟ اس سے یا تو وہ مانیں گے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو نَعُوْذُ بِاللّٰہ ذرا بھی علم غیب نہ تھا اور یا مانیں گے کہ یہ ساری کی ساری حدیثیں سچی ہیں۔ کیا وہ یہ تسلیم کر سکتے ہیں کہ یہ خبریں جھوٹی ہیں؟ ہر گز نہیں۔ اگر وہ یہ نہیں تسلیم کر سکتے تو اُنہیں ماننا پڑے گا کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں۔ پس جب وہ مان جائیں کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں تو اُن سے پوچھو کہ مسیح موعودؑ کہاں ہے؟ جب رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں ایک ہی وقت میں پوری ہوں گی اور جب باقی تمام باتیں پوری ہو چکی ہیں تو مسیح والی خبر بھی ضرور پوری ہونی چاہئے تھی۔ اسی مسئلہ پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ساری دنیا کو چیلنج دیا تھا کہ اگر مَیں جھوٹا ہوں تو تم سچے مسیح کو لاؤ، کہاں ہے؟ کیونکہ یہ زمانہ مسیح موعود کا ہے۔ اس زمانے کی اور مسیح موعود کے زمانے کی تمام علامات پوری ہو چکی ہیں۔ اور یہ دونوں باتیں ایک ہی وقت میں پوری ہونی ضروری ہیں مگر آجکل ہماری جماعت کے لوگوں کا یہ رویہ ہے کہ جدھر دشمن ان کو کھینچتے ہیں یہ اُدھر ہی کو بھاگتے ہیں۔ حالانکہ تمہیں چاہئے کہ اُنہیں اِس میدان میں کھینچ کر لاؤ جس میں وہ شکست کھا چکے ہیں اور ان سے کہو کہ آؤ پہلے اس مسئلہ پر بحث کر لیں پھر ہم آگے چلیں گے۔ تم نے کفر کے فتوے لگائے ہوئے ہیں ہم تمہیں ہر گز نہیں چھوڑیں گے۔ اس طرح وہ اپنی غلطی کو ماننے کے لئے مجبور ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ اپنی غلطی کا اقرار کر لیں گے تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے احمدیت کی فتح کا جھنڈا گاڑ دیں گے۔

پس ہماری جماعت کو تبلیغ کا یہ صحیح طریقہ کبھی نہیں چھوڑنا چاہئے ورنہ دشمن کا شکار ہو

جانے کا خطرہ ہے۔ تمہارے لئے یہ ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے طریقوں کو استعمال کرو اور اس کامیاب ہتھیار کو لے کر نئے سرے سے شہروں اور گاؤں پر حملہ کرو۔ تم جہاں جاؤ گے فتح اور کامیابی کے ساتھ واپس لَوٹو گے۔ اپنے دشمن سے کہو کہ جہاں سے لڑائی شروع ہوئی تھی ہم اُسی مورچے پر لڑیں گے۔ اِس پر دشمن اپنی شکست تسلیم کر لینے پر مجبور ہو جائے گا اور اس کے دیکھنے والوں، اس کے ماننے والوں اور اِس کے مقتدیوں پر اس بات کا گہرا اثر پڑے گا اور وہ سمجھ جائیں گے اور یقین کر لیں گے کہ ہمارا امام اور مولوی جھوٹا ہے اور احمدی سچا ہے۔ مگر ہتھیار بھی تبھی کارآمد ہو سکتا ہے جب اُس کے استعمال کرنے والا بھی دلیر اور ماہر ہو۔ جب تک تمہارے اندر تبلیغ کے لئے جرأت نہیں پیدا ہوتی اس وقت تک اچھے سے اچھا ہتھیار بھی بیکار ہے۔ جیسے کہتے ہیں کسی شہزادہ نے دیکھا کہ ایک شمشیر زن سپاہی نے اپنا کرتب دکھاتے ہوئے تلوار کے ایک ہی وار سے گھوڑے کے چاروں پاؤں کاٹ ڈالے۔ شہزادہ نے نادانی سے یہ سمجھ لیا کہ یہ خوبی تلوار ہی میں ہے۔ وہ سپاہی کے پاس گیا اور اس سے کہا یہ تلوار مجھے دے دو مگر سپاہی نے تلوار دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر وہ شہزادہ روتا ہؤا اپنے باپ کے پاس پہنچا اور کہا کہ مَیں نے فلاں سپاہی سے تلوار مانگی تھی مگر اس نے دینے سے انکار کر دیا ہے۔ بادشاہ نے فوراً اس سپاہی کو بلوایا اور کہا تُو اِتنا نمک حرام ہے کہ ہماری تنخواہ سے پلا ہے اور شہزادے نے تم سے تلوار مانگی اور تم نے دینے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ سپاہی مفت تنخواہ نہیں پاتا وہ تو جان پیش کر کے تنخواہ پاتا ہے مگر بیچارے کی روزی چونکہ اس ملازمت سے وابستہ تھی اِس لئے انکار نہ کر سکا اور تلوار شہزادے کے حوالے کر دی۔ شہزادہ نے جھٹ ایک گھوڑا منگایا اور جس طرح اس نے سپاہی کو تلوار چلاتے دیکھا تھا اسی طرح گھما کر تلوار ماری مگر گھوڑے کے چاروں پاؤں کٹ جانے تو الگ رہے اُس کے پاؤں پر تلوار کا کہیں نشان بھی نہ پڑا۔ وہ پھر روتا ہؤا باپ کے پاس آیا اور کہا سپاہی نے دھوکا کیا ہے اور اس نے وہ تلوار نہیں دی جو اس نے خود استعمال کی تھی بلکہ کوئی دوسری تلوار دے دی ہے۔ بادشاہ نے سپاہی کو پھر ڈانٹا اور کہا تم نے تلوار بدل کر کیوں دی ہے؟ سپاہی نے کہا۔ بادشاہ سلامت! مَیں نے تو وہی تلوار دی ہے۔ اگر آپ کو میری بات پر یقین نہ آئے تو ایک گھوڑا منگوائیں اور تجربہ کر لیں۔ بادشاہ

نے ایک گھوڑا منگوایا اور سپاہی نے اسی تلوار سے گھوڑے کے چاروں پاؤں کاٹ دیئے۔ اس کے بعد اس نے بادشاہ سے کہا۔ حضور! میرا کوئی قصور نہ تھا۔ یہ حضور کا لڑکا خود فن سے کورا ہے۔ اس کے ہاتھ میں کوئی اچھی سے اچھی تلوار بھی کام نہیں دے سکتی۔ پس ہتھیار اپنی ذات میں کچھ چیز نہیں ہے جب تک اس کو استعمال کرنے والا ماہر نہ ہو۔ اس لئے تمہیں چاہئے کہ پہلے تم اپنے اندر تبلیغ کے لئے جوش پیدا کرو۔ جب تک تم میں سے ہر شخص یہ عہد نہیں کر لیتا کہ وہ ساری دنیا کو احمدی بنا کر چھوڑے گا، کامیابی نہیں ہو سکتی۔ تم اس شہزادے کی طرح مت بنو کہ تلوار کے باوجود بھی گھوڑے کے پیر نہ کاٹ سکو بلکہ تمہیں چاہئے کہ اس سپاہی کی طرح بننے کی کوشش کرو۔ تلوار اور ہنر دونوں اچھی چیزیں ہیں مگر نہ تلوار ہی اکیلی اچھی ہے اور نہ ہنر ہی اکیلا اچھا ہے۔ تلوار اور ہنر دونوں لازم وملزوم ہیں۔ جس شخص کے پاس تلوار ہو گی اور ہنر نہ ہو گا وہ تلوار سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا اور جس شخص کے پاس ہنر ہو گا اور تلوار نہ ہو گی وہ ہنر اس کے لئے کچھ بھی فائدہ مند نہ ہو گا۔ پس تلوار تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعے خدا تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہے مگر اپنے اندر جوش اور اخلاص پیدا کرنا تمہارا اپنا کام ہے۔ اگر تم اپنے اندر جوش اور اخلاص پیدا کر کے صحیح طور پر اِس ہتھیار سے دشمن پر وار کرتے چلے گئے تو دنیا تمہاری ہے، مسیح موعود علیہ السلام کی ہے، اسلام کی ہے، محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی ہے اور خدا کی ہے۔ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔" (الفضل 2 دسمبر 1946ء)

1: گُوہ: گُو یعنی فضلہ۔ غلاظت۔ براز

2: حزقیل باب 4 آیت 13

3: الواقعہ: 80

4: صحیح مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال میں یہ الفاظ ہیں۔ حَتّٰی یَکُوْنَ رَأْسُ الثَّوْرِ لِاَحَدِھِمْ خَیْرًا مِنْ مِائَةِ دِیْنَارٍ لِاَحَدِکُمُ الْیَوْمَ

5: سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 272 مطبوعہ مصر 1936ء